AMJRT 1:1 (2019) pp. 116-133 **ISS No: 2663-4392**

مسالک کے مشترکات کے ادراک کی اہمیت: پاکستان کے تناظر میں تجزیاتی مطالعہ

Understanding the importance of concensusus in Isalmic Schools of Thought (Analytical Study in the Context of Pakistan)

ثمینہ ناصر *

Abstract

Muslims are commanded to foster unity as breaking into sects is forbidden by Allah. Islam teaches about broadness of vision and the emergence of different denominations in Islam is because of this broadness. There are different school of thoughts that emerged due to the broader perspective of Shar'īah rulings like Hanfī, Shāfī, Mālikī and Hanblī, J'afrī etc despite that there is an essential unity in beliefs and practices among the Muslims. They all worship Allah, follow the last Messenger, Muhammad (ﷺ) and the last revelation Qur'an. They face the same Qibla while praying, prostrate to Allah five times a day, and believe in finality of prophet hood. Qur'an and Ahādīth are a source of jurisprudence for all Muslims. The difference between Muslims is in understanding and interpreting the Scripture and Āhādīth of Prophet Muhammad (ﷺ) in the matters related with implementation of certain religious, social, political, and other duties. Islam rejects sectarianism, intolerance and extremism. Keeping in mind all of the above-mentioned points, in the article an attempt has been made to analyze the major challenges facing the intra-faith unity in Pakistan. The first is ignorance. Second is the role of media and scholars. Third is curriculum and fourth is intolerance. In the beginning the introduction of different schools of thought is given, and then forbearance demonstrated from the life of 'Salaf Sālihīn' has been described to establish an atmosphere of harmony in the present time, especially in Pakistan. The importance and significance of foundations of harmony is explained in such a manner that every Muslim should understand that the differences between the Muslims are very small, as they are only minor disagreements. Other than that, they are united in beliefs and practices. Finally, in the end, recommendations have been proposed.

Keywords: Understanding of Intra-faith Similerties, Analytical Study, Context of Pakistan

*Teacher, Beacon House School System, Rawalpindi, samina.irn@hotmail.com.

تعارف

اسلام امن و محبت کا پیامبر ہے۔ اسلامی فلاحی معاشرہ کی تشکیل میں اتفاق و اتحاد بنیادی تعلیمات ہیں۔ معاشرہ اسی صورت میں پروان چڑھتا ہے جب افرادِ معاشرہ میں اتفاق واتحاد، مذہبی و مسلکی ہم آہنگی ہو۔ پاکستانی معاشرے میں انتشار وافتراق کی بنیادی وجہ جہالت، دوسرے فرقوں کے بارے میں لاعلمی، غلط فہمیاں، غلط تصورات اور افواہیں ہیں۔ پاکستان کے سماجی مسائل میں سے ایک بنیادی اور اہم مسئلہ فرقہ واریت ہے۔ اس کے اسباب زیادہ تر سیاسی و سماجی نوعیت کے ہیں تاہم کچھ چیزیں علمی نوعیت کی بھی ہیں جنہیں علماء تک ہی محدود ہونا چاہیے۔ الزام والتزام کے رویوں، مفاہمانہ اور مکالمانہ انداز کے بجائے مناظرانہ اور جارحانہ طرزنے ہمارے اخلاقی معیار کو پست کر دیا ہے۔ پاکستان کے تناظر میں اس مقالے کا مرکزی موضوع یہ رہے گا کہ ان اصولوں کی نشاندہی کی جائے جن پر فرقہ وارانہ ہم آہنگی کی بنیادیں استوار ہو سکیں۔ اس مقالہ میں ہم مسلکی متفرقات کی بجائے مشترکات کا جائزہ لیں گے اور اس کے ادراک کی اہمیت کو واضح کریں گے۔ تاکہ امت مسلمہ، خصوصاً پاکستان کے اصحاب فکر و نظر اپنے علم و تحقیق کی حد تک کسی ایسے نتیجہ پر پہنچ سکیں جو ہمیں کسی مشترک لائحہ عمل تک پہنچا سکے۔ مقالے کا انداز بیانیہ اور تجزیاتی (Descriptive and Analytical) اختیار کیا گیا ہے۔

سابقہ کاوشوں کا جائزہ

امت مسلّمہ میں اعتدال اور ہم آہنگی کی تعلیمات کے فروغ کے لئے بہت سے علماء کرام نے کام کیا ہے۔ انھوں نے ایسی مایہ ناز کتب تصنیف کیں، جو اختلافات کے اثرات کو کم کرنے اور اعتدال کی راہ اپنانے کی بنیادیں فراہم کرتی ہیں۔ مقدمین میں امام ابن تیمیہ کی تصنیف **رفع الملام عن الائمہ الاعلام** متاخرین میں فقہی و کلامی اختلافات کے سلسلے میں شاہ ولی اللہ کا رسالہ **الانصاف فی مسائل الاختلاف** بڑا قابل قدر ہے۔ اس کے علاوہ شاہ صاحب کی **تفہیمات الٰہیہ** میں فرقہ بندی کے قدیم حالات و کوائف کے بارے میں نہایت بصیرت افروز بحث موجود ہے۔ علاوہ ازیں مہر علی شاہ کی تصنیف **تصفیہ مابین سنّی وشیعہ** اہم کاوش ہے۔ جس میں آپ نے وجوہ اشتراک تلاش کیں اور اختلاف میں تطبیق کی راہ نکالی۔ معاصر اہلِ علم میں سے ڈاکٹر صالح بن عبداللہ بن حمید کی تصنیف **ادب الخلاف** طٰہ جابر العلوانی کی کتاب **ادب الخلاف فی الاسلام** استاذ علی الخفیف کی **اسباب اختلاف الفقہاء** شیخ زکریا کاندھلوی کی **اختلاف الائمہ** اور ناصر سلیمان کی **اسباب الاختلاف** کو اس موضوع پر براہِ راست علمی کاوش قرار دیا جاسکتا ہے۔ پاکستان میں مذہبی ہم آہنگی کے لئے اسلامی نظریاتی کونسل نے **پاکستان کے دینی مسالک** پر تحقیقی کام کیا ہے۔ وزارتِ مذہبی امور ہر سال مقالاتِ سیرت ﷺ کے ذریعے اسوۂ حسنہ کی روشنی میں ہم آہنگ اسلامی معاشرے کی فضا قائم کرنے کے لئے اپنی ملی و

دینی خدمات سرانجام دے رہی ہے۔ پنجاب یونیورسٹی میں ایم فل کا مقالہ "پاکستان میں دینی یکجہتی کے لئے کی گئی کاوشیں" سارہ اقبال کی تحقیق ہے۔ جس میں انہوں نے پاکستان کے دینی مسالک میں دینی یکجہتی کے لئے حکومتی کوششوں کو بیان کیا ہے۔ ترجمان القرآن، منہاج القرآن، وحدت امت جیسے رسائل و جرائد میں تفرقے کی تاریخ واسباب پر اہل علم و قلم نے سیر حاصل ابحاث کی ہیں۔ مزید براں "پاکستان میں اتحاد بین المسالک پر منتخب اردو تحریروں کا تجزیاتی مطالعہ" کے عنوان سے اسکالر فرمان اللہ اور ڈاکٹر اکرام اللہ کا مقالہ **جرنل آف اسلامک اینڈر یلیجیس سڈیز** میں شائع ہوا ہے۔

پاکستان کے مسالک کا مختصر تعارف

دنیائے اسلام میں بالعموم اور برّصغیر میں بالخصوص مسالک اور فقہی مذاہب ہیں، جیسے جعفری، حنفی، مالکی، شافعی، اور حنبلی وغیرہ۔اس کے بعد احناف میں دیوبندی اور بریلوی کی ذیلی تقسیم ہے۔ لیکن یہ دونوں اصطلاحاً ایک ہی فقہ اور مکتب فکر سے تعلق رکھتے ہیں۔ اہل تَسَنُّن کی طرح اہل تشیع میں بھی ذیلی تقسیم موجود ہے۔ پاکستان میں آغاز سے ہی مختلف مسالک اور مکاتبِ فکر موجود تھے۔ بقول سید ابوالاعلیٰ مودودی: "ہمارے ملک میں بالفعل صرف تین فرقے پائے جاتے ہیں۔

۱۔ حنفی (جو دیوبندیوں اور بریلویوں میں تقسیم ہونے کے باوجود (فقہ حنفی پر متفق ہیں۔)

۲۔اہل حدیث ۳۔شیعہ "[1]

قیامِ پاکستان کے وقت ان مسالک میں اختلافات کے باوجود مذہبی رواداری تھی۔ باہم ادب و احترام کا رشتہ استوار تھا۔ مختلف مکاتب فکر اپنے اپنے دائرے میں اپنے عقائد و نظریات کے مطابق عمل پیرا تھے۔ ۱۹۸۰ء کی دہائی میں ان اختلافات کو سیاسی مقاصد کے لئے استعمال کرتے ہوئے اس میں تشدد و تعصب کا رنگ غالب آگیا۔ جس نے فرقہ ورایت کی شکل اختیار کر لی۔ عوام الناس اس حقیقت کا ادراک نہ کر سکی کہ ان کے درمیان پائے جانے والے اختلافات ایسے نہیں کہ جن کی بناء پر دوسرے مسلک کو دائرۂ اسلام ہی سے خارج کر دیا جائے۔ ہیں۔ اسلامی مسالک کے اختلافات کی حقیقت سے پردہ اٹھاتے ہوئے حامد کمال الدین اپنے مقالے "فرقہ واریت ہے کیا"؟ میں لکھتے ہیں:

> علماء و فقہائے اُمت کی غالب ترین اکثریت بشمول حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی، ظاہری اور اہلِ حدیث وغیرہ وغیرہ ایسے فقہی مسالک کو فرقہ ٔ ناجیہ میں شمار کرتی آئی ہے۔ یہ کئی فرقے نہیں دراصل ایک ہی فرقہ ہے اور ان سب کا ایک سے علمی اور

[1] ابوالاعلیٰ مودودی، **اسلامی ریاست**، (لاہور: اسلامک پبلیکیشنز، 1947ء)، 514۔

شرعی مصادر میں اتفاق ہے۔ علماء وفقہائے امت کے ہاں صدیوں تک یہ اعتبار قائم رہا ہے۔ عقیدہ کی کوئی بڑی خرابی نہ ہو تو یہ فقہی مذاہب اُمت کے معتبر مذاہب ہیں اور فقہی اختلاف کے باوجود یہ ایک جماعت ہیں اور سب کے سب اہلِ سنت و الجماعت کی ذیل میں آتے ہیں۔ ان کا اختلاف وہ اختلاف ہے جس کی عمومی معنی میں علمائے اُمت کے ہاں گنجائش جانی گئی ہے۔ بنیادی طور پر یہ نصوص کے فہم اور ترجیح اور استقصاء میں ہونے والا اختلاف ہے۔ اجتہادی مسائل میں ہونے والا اختلاف ہے۔ یہ 'اختلاف مذموم' نہیں بلکہ اصطلاحی طور پر یہ 'اختلاف سائغ' ہے۔[2]

ذیل میں مکاتبِ فکر کا مختصر تعارف ذیل میں پیش کیا جائے گا۔

بریلوی مسلک

محمد ایوب قادری **تذکرہ علمائے ہند** میں بریلوی مسلک اور اس کی نسبت کے بارے میں لکھتے ہیں: یہ مسلک فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خان کے پیروکاروں کی تشکیل ہے۔ ان کے معتقدین انہیں 'اعلیٰ حضرت اور فاضل بریلوی' کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ مولانا کے آباؤ اجداد قندھار افغانستان کے قبیلہ بڑھیچ کے پٹھان تھے۔ مغلیہ دور میں ہندو پاک آئے۔ مولانا احمد رضا خان بریلوی (۱۸۵٦ء۔ ۱۹۲۴ء) کو اپنا پیشوا تسلیم کرتے ہیں۔[3]

عقائد

محمد سرفراز خان صفدر نے اپنی کتاب میں بریلوی مسلک کے عقائد یوں بیان کئے ہیں:

مسلک اہل سنت والجماعت کی بنیاد اسلامی عقائد یعنی توحیدِ خداوندی، انبیاء کی رسالت و نبوت اور ان کی حیات بعد الممات، تمام الہامی کتب، وصحائف، فرشتوں، یوم آخرت (جزاو سزا اور جنت و جہنم) اور خیر و شر کی تقدیر پر ایمان لانا ہے۔ مسلک اہل سنت میں ادب، احترام اور تعظیم بنیادی عنصر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کو ہر عیب سے پاک ماننا عصمت رسول وانبیاء، تمام صحابہ کرام اور تمام اہل بیت اطہار کی عظمت وطہارت، اولیاء کرام اور صلحاء امت کو بارگاہِ خداوندی سے ملنے والے اعزازات (مثلاً کرامات، الہام اور تصرف وغیرہ) کو تسلیم کرنا۔ مسلک اہل سنت کا لازمی امر ہے۔ رسول اللہ کے لئے اللہ تعالیٰ کی عطا سے ما کان و ما یکون کے علم کا عقیدہ رکھتے ہیں۔[4]

---

[2] کمال الدین، "فرقہ واریت ہے کیا؟
http://www.eeqaz.org/eeqazarticles.aspx?sanid=135&articlename=06Mohid, accessed on 8- 6-19

[3] محمد ایوب قادری، **تذکرہ علمائے ہند** (کراچی: پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی، 1961ء)، 98۔

[4] محمد سرفراز خان صفدر، **تفریح الخواطر فی ردّ تنویر الخواطر** (گوجرانوالہ: ادارہ نشر واشاعت: مدرسہ نصرۃ العلم، 1977ء)، 58۔

بیسویں صدی کے حنفی المسلک بریلوی مکتب فکر کی دلچسپی زیادہ تر مختلف فروعی اور ثانوی مسائل میں رہی ہے۔ جن میں سے بعض یہ ہیں: تصور شیخ اور استمداد اہل اللہ مثلاً یا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، قیامِ میلاد اور موجودگی دوجہاں ﷺ کی موجودگی کا تصور کرنا۔ مختلف رسوم مثلاً فاتحہ خوانی، چہلم، برسی گیارھویں کی نیاز، عرس وغیرہ شامل ہیں۔ اہل سنت بریلوی حضرت امام ابو حنیفہؒ کے مقلد ہیں۔ امت مسلمہ کے وہ معمولات جو قرآن وسنت کی نصوص سے ثابت ہیں ان کو جائز اور مستحب قرار دیتے ہیں۔

دیوبندی مسلک

دیوبندی مسلک میں دار العلوم دیوبند بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔ دیوبندی مسلک کے تمام علماء اور قائدین اپنی فکری اور عقیدتی نسبت دار العلوم دیوبند ہی کو قرار دیتے ہیں۔ پورے ہندوستان میں اس کی جڑیں پھیلی ہوئی ہیں۔ گزشتہ ایک سو سال سے زیادہ مدت سے پاک وہند کے مسلمانوں کو متاثر کیا ہے۔

عقائد

المھند علی المفند اہل سنت (دیوبندی) میں عقائد کے بیان میں بنیادی کتب میں سے سمجھی جاتی ہے۔ یہ مختصر کتاب خلیل احمد سہارنپوری کے ان جوابات پر مشتمل ہے جو انھوں نے حرمین شریفین کے بعض علماء کو ان کے چند سوالات پر دیئے۔ ان جوابات کو ہر دور کے اکابر علمائے مسلک دیوبند کی تائید حاصل رہی ہے۔ اسی کتاب میں خلیل احمد سہارنپوری اختصار سے اپنے مسلک کو یوں بیان کرتے ہیں:

> جاننا چاہیے کہ ہم اور ہمارے مشائخ اور ہماری ساری جماعت بحمد اللہ فروعات میں مقلد ہیں مقتدائے خلق حضرت امام ہمام امام اعظم ابو حنیفہؒ نعمان بن ثابت کے اور اصول واعتقادات میں پیرو ہیں امام ابو الحسن اشعریؒ اور امام ابو منصور ماتریدیؒ کے اور طریق ہائے صوفیہ میں ہم کو انتساب حاصل ہے سلسلہ عالیہ حضرت نقشبندیہ اور طریقہ زکیہ مشائخ چشت اور سلسلہ بہیہ حضرات قادریہ اور طریقہ مرضیہ مشائخ سہروردیہ رضی اللہ عنھم کے ساتھ۔[5]
>
> مسائلِ اعتقادیہ میں اہلِ سنت والجماعت کے دو گروہ ہیں۔ اشاعرہ[6] اور ماتریدیہ۔[7]

---

[5] خلیل احمد سہارنپوری، **المھند علی المفند** (لاہور: ادارہ اسلامیات، 1984ء)، 29۔

[6] امام ابو الحسن اشعریؒ کے طرف منسوب مکتبِ فکر ہے جو چار واسطوں سے ابو موسی اشعری صحابی رسول اللہ ﷺ کی اولاد سے ہیں۔ ان کے کلامی نظریات کو ماننے والوں کو اشاعرہ کہا جاتا ہے۔

[7] امام ابو منصور ماتریدی کی طرف منسوب مکتبِ فکر ہے۔ جو تین واسطوں سے امام محمد بن حسن شیبانی کے شاگرد ہیں جو امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد اور امام شافعیؒ کے استاد ہیں۔ ان کے کلامی نظریات کو ماننے والوں کو ماتریدیہ کہا جاتا ہے۔

ان دونوں بزرگوں نے اصولِ دین اور ان سے متعلق مسائلِ دین اور مسائلِ اعتقادیہ میں بڑی تحقیق وتدقیق کی ہے اور دلائلِ عقلیہ اور نقلیہ سے عقائدِ اسلامیہ کو ثابت کر کے ملاحدہ اور زنادقہ کے اعتراضات اور شکوک وشبہات کا عقل اور نقل سے ابطال فرمایا، جس سے صحابہ وتابعین کا مسلک خوب روشن ہو گیا۔ یہی وجہ ہے کہ مذہب اہلِ سنت والجماعت انہی دو بزرگوں میں محصور ہو گیا۔ ان دونوں بزرگوں کا اصولِ دین اور مسائلِ دین میں کوئی اختلاف نہ تھا۔ امام ابوالحسن اشعری اور امام ابو منصور ماتریدی کے کے بعد امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کے اصحاب نے اپنا نام اشعریہ قرار دیا اور امام ابو حنیفہؒ کے اصحاب اپنے آپ کو ماتریدیہ کہنے لگے۔ دراصل ان دونوں گروہوں کا مسلک وہی ہے جو صحابہ وتابعین اور ائمہ مجتہدین سے ثابت اور مقرر رہے۔

مسائل اعتقادیہ میں امام ابوالحسن اشعری اور امام ابو منصور ماتریدی کے بارے میں محمد ادریس کاندھلوی اپنی کتاب "عقائد الاسلام" میں لکھتے ہیں:

"ان دونوں بزرگوں کے درمیان صرف بارہ مسئلوں میں خلاف ہے۔ اور وہ نزاع حقیقی نزاع نہیں بلکہ لفظی اور صوری نزاع ہے اور وہ بھی ایسے مسائل ہیں کہ جن کی کتاب وسنت میں کوئی تصریح نہیں اور صحابہ کرامؓ سے اس بارہ میں کوئی واضح چیز منقول نہیں۔"[8] دیوبند سے صرف وہ حلقہ مراد نہیں جو دارالعلوم دیوبند جس میں تعلیم وتدریس یا تبلیغ یا تصنیف وتالیف کا سلسلہ جاری ہے۔ ان سب کا نظریہ حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلوی کی حکمت سے جڑا ہوا ہے۔ علماء دیوبند اپنے دینی رُخ اور مسلکی مزاج کے لحاظ سے کلیۃً اہل سنت والجماعت ہیں۔ جس کی بنیاد قرآن وسنت اور فقہ ائمہ پر قائم ہے۔ اس کا اصل واصول توحید وعظمت رسالت ہے جو تمام انبیاء کا دین رہا ہے۔ دیوبند مسلک میں پہلی اصل توحیدِ خداوندی پر زور دیتا ہے جس کے ساتھ شرک یا موجبات شرک جمع نہ ہو سکیں اور کسی بھی غیر اللہ کی اس میں شرکت نہ ہو۔

دیوبندیت میں قرآن وسنت کے دائرے میں رہتے ہوئے اعمالِ حسنہ کی تعلیمات پر پابندی کی دعوت دی جاتی ہے۔ غیر شرعی رسومات کی حوصلہ شکنی کی جاتی ہے۔ اس سلسلے میں ان کے علماء نے علمی ومتحرک کوششیں کی ہیں۔

اہل حدیث

مسلکِ حدیث کی اولین بنیاد قرآن مجید اور اس کے بعد حدیثِ ہے، یہی دو چیزیں مسلکِ اہل حدیث کی بنیاد ہیں اور یہ دونوں چیزیں جدید نہیں بلکہ اسلام کی ابتدائی بنیاد انہی پر رکھی گئی ہے۔ اہل حدیث سے مراد مسلمانوں کے اس فرقے کی ہے کہ

[8] محمد ادریس کاندھلوی، **عقائد الاسلام، حصہ اوّل-دوم** (کراچی: ادارہ اسلامیات، 2010ء)، ص:,254

جس کی پیدائش دوسری صدی ہجری کے اواخر اور تیسری صدی ہجری (یعنی اواخر آٹھویں و نویں صدی عیسوی) سے دیکھنے میں آئی۔ ابراہیم میر سیالکوٹی اپنی مشہور کتاب تاریخِ اہل حدیث میں رقمطراز ہیں: "یہ مخصوص مسلک خود آنحضرتؐ کے زمانے میں بھی موجود تھااور بعد میں ہر دور میں ہمیشہ موجود رہا۔"[9] اہلِ حدیث کے علماء کا نظریہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: "یہ کوئی نئی تحریک نہیں ہے بلکہ کتاب و سنت کی وہی تحریک ہے جو عہدِ نبوی اور عہد صحابہ سے چلی آرہی ہے "[10] یہی وجہ ہے کہ صحابہ ،تابعین اور تبع تابعین کو اسلاف یا سلف الصالح کہا جاتا ہے اور اہلحدیث ان کے فہم کو بعد میں آنے والے ادوار کے علماء کے فہم پر ترجیح دیتے ہوئے سلفی کہلواتے ہیں۔ جو قرآن و سنت سے براہِ راست استفادہ کرتے ہیں اور تقلید کے قائل نہیں ہیں۔

بیسویں صدی کے آغاز میں اہل حدیث کا مسلک برصغیر پاک وہند میں ایک تحریک کی صورت میں پھیل گیا؛ چنانچہ دھلی میں آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کے نام سے ایک ملک گیر تنظیم قائم ہوئی، جس نے مکتبوں اور درس گاہوں کے قیام، مبلغوں کے وعظ وارشاد اور جلسوں کے انعقاد کے ذریعے پورے ملک میں تحریک و مسلک اہل حدیث کو عام کیا۔ برّصغیر میں اہلِ حدیث کی تحریک سے قبل اہلِ سنت کلام میں اشعری اور ماتریدی کے پیروکار تھے۔ وہابی فرقے کے بانی کا تعلق دمشق کے حنبلی علماء سے تھا وہ ابن تیمیہ اور ابن القیم الجوزیہ کی تعلیمات سے متاثر تھے، اس لئے وہابی عقیدے کے اصول وہی ہیں جن کے لئے یہ جلیل القدر حنبلی عالم عمر بھر لڑتے رہے۔ ابتدائی طور پر اہل حدیث علماء نے اس باب پر کوئی دوسرا نقطۂ نظر اختیار نہ کیا لیکن رفتہ رفتہ انھوں نے عقائد اور کلام میں امام ابنِ تیمیہ اور امام ابنِ قیم کی روش اختیار کرلی۔ قرونِ وسطی میں انہوں نے عقائد کی اصلاح سے متعلق اپنے نظریات پیش کئے۔ اس مسلک کے لوگ دین میں رائے اور قیاس کے اصول کو تسلیم نہیں کرتے۔ اور خدا کو تجسیم و تشبہ کی ہر صورت سے پاک سمجھتے ہیں۔

عقائد

اہل حدیث اپنے آپ کو عملاً اہلِ سنت کہلاتے ہیں اور مذہباً اہل الحدیث۔ ان کے اصولِ سنت یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کے طریقے کو لازماً پکڑیں اور ان کی اقتدا کریں اور بدعت ترک کردیں۔ کیونکہ ہر بدعت گمراہی ہے۔ شیخ محمد اکرام اپنی کتاب "موجِ کوثر" میں اہلِ حدیث کے عقائد کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

[9] ابراہیم سیالکوٹی، **تاریخ اہل حدیث** (لاہور: اسلامی پبلیشنگ کمپنی 1935ء)، 26۔

[10] ایضا، 48۔

اسلامی روایات کو برقرار رکھنے، دوسرے مذاہب کا مقابلہ کرنے اور ردّ شرک و بدعت میں یہ جماعت سب سے آگے ہے۔ مسلمانوں کو فضول رسموں سے بچانے، بیاہ، شادی، ختنے اور تجہیز و تکفین کی فضول خرچیوں سے روکنے اور پیر پرستی و قبر پرستی کے نقائص دور کرنے میں بھی اس جماعت نے بڑا کام کیا ہے۔ اور اگر یہ لوگ جزوی اختلافات اور فروعی باتوں پر اپنا زور صرف کرنے کے بجائے اپنے آپ کو بنیادی اصلاحوں اور رسوم و اخلاق کی درستی کے لئے وقف کر دیں۔ اور معمولی باتوں پر کفر کے فتوے جاری نہ کر دیا کریں تو انہیں اپنے نام میں بڑی کامیابی حاصل ہو۔ اور قومی زندگی میں ان کا مرتبہ بلند ہو جائے۔[11]

اہل حدیث پاکستان کے قرب و جوار میں فقہی، علمی و تحقیقی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔

شیعہ مسلک

شیعہ یا اہل تشیع اہل سنت کے بعد مسلمانوں کا بڑا مسلک ہے۔ شیعت کے حوالے سے یہ سوال بہت اہمیت رکھتا ہے کہ اس کی ابتدا کیسے ہوئی؟ اور کن وجوہات کی بناء پر شیعت نے ایک مسلک کی صورت اختیار کی اور تاریخ کے مختلف ادوار سے گزرتا ہوا یہ مسلک آج بھی پورے عالمِ اسلام میں موجود ہے۔ امام الاشعری نے شیعہ کے عقائد کی سب سے جامع تعریف کی ہے۔ لکھتے ہیں:

"الشيعة هم الذين شايعوا عليّاً - رضي الله عنه - على الخصوص، وقالوا بإمامته وخلافته نصّاً ووصية إما جليّاً، وإما خفيّاً، واعتقدوا أن الإمامة لا تخرج من أولاده، وإن خرجت فبظلم يكون من غيره أو بتقيَّة من عنده وقالوا: "ليست الإمامة قضية مصلحية تناط باختيار العامة" وينتصب الإمام بنصبهم، بل هي قضية أصولية وهي ركن الدين۔"[12]

شیعہ مسلک سے مراد وہ لوگ ہیں جو حضرت علی کے پیروکار ہیں۔ خاص طور پر امامت و خلافت کے حوالے سے نص اور وصیت کے قائل ہیں۔ اور ان کا اعتقاد یہ ہے کہ امامت ان کی اولاد کے سوا کسی کے لئے جائز نہیں۔ اگر ظلم و تعدی سے کسی غیر کو امام بنادیا گیا تو یہ ظلم ہو گا۔ وہ کہتے ہیں کہ امامت مصلحت کی بنیاد پر نہیں جس کو عوام الناس اختیار کریں بلکہ یہ امامت دین کا ایک رکن اور اصولی حکم ہے۔

---

[11] محمد اکرام، **موجِ کوثر** (لاہور: فیروز سنز، 1985ء)، 55۔

[12] ابوالحسن الأشعری، **مقالات الإسلامیین واختلاف المصلین** (بیروت: المکتبہ العصریہ، 1426ھ)، 1:65۔

سید ابوالا علیٰ مودودی اپنی کتاب " خلافت و ملوکیت " میں لکھتے ہیں: " حامیانِ علیؓ کا گروہ ابتداء میں شیعانِ علی کہا جاتا تھا، بعد میں اصطلاحاً انہیں صرف شیعہ کہا جانے لگا۔ "[13]

عقائد

شیعہ عقائد و فقہ میں قرآن و سنت اور تمام مسائل میں ائمہ اہلِ بیت سے رجوع کرتے ہیں۔ شیعہ نقطۂ نظر سے اسلام چند عقائد و اعمال کا مجموعہ ہے جس کے اساسی عقائد کو اصول اور بنیادی اعمال کو فروع اور ارکان اسلام کہا جاتا ہے۔ شیعہ کے اصولِ دین پانچ ہیں۔

"(أصول الدين) العقائد الأساسية، وهي أجمالا التوحيد والنبوة والعدل،والإمامة والمعاد"[14]

اصلِ دین جو اساسی عقائد ہیں وہ اجمالاً توحید، نبوت، عدل، امامت اور معاد (آخرت) ہیں۔ الکاشف الخطاء لکھتے ہیں:

" ان الدين ينحصر فى قضايا خمس:(١) معرفة الخالق(٢)معرفة المبلغ (٣) معرفة ما تعبدبه و العمل به (٤) الاخذ بالفضيلة و رفض الرذيلة (٥)الاعتقاد بالمعاد و الدينونة"[15]

جہاں تک اثنا عشریہ عقائد کا تعلق ہے ان کے بنیادی اصول پانچ ہیں۔ ۱۔ خالق کی معرفت ۲۔ اس کے مبلغ کی پہچان ۳۔ مسائل عبادت اور طریق عمل کی پہچان ۴۔ نیکیوں کا حصول اور برائی سے اجتناب ۵۔ معاد اور سزا و جزا کا اعتقاد۔

امام جعفر صادقؒ کی علمی و عملی بلندی کو شیعہ مسلک کے فروغ میں اہم مقام حاصل ہے۔ آپؒ کے حلقۂ درس کی عظمت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ بن انس، سفیان بن عینیہ، سفیان ثوری، شعبہ بن حجاج اور فضیل بن عیاض ایسے فقہا و محدیثین نے زانو تلمذ طے کئے۔

---

[13] سید ابوالا علیٰ مودودی، **خلافت و ملوکیت** (لاہور: ادارہ ترجمان القرآن، 1984ء)، 210۔

[14] احمد فتح اللہ، ***معجم ألفاظ الفقه الجعفری*** (الدمام: منشورات مرکز اسلامی، 1415ھ)، 1:40۔

[15] محمد حسین آل کاشف الغطاء "اصل الشیعہ واصولھا مقارنہ مع المذاہب الاربعہ" دار الاضواء للطباعۃ والنشر والتوزیع، ص: ۹۲

فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے اصول

مسالک کے مختصر تعارف سے یہ حقیقت مترشح ہے کہ عقائد میں تمام مکاتبِ فکر متفق ہیں۔عبادات اور دیگر اسلامی شعار میں جزوی وفروعی اختلافات ایسے نہیں ہیں کہ جنہیں ٹا پانہ جاسکے۔ذیل میں ان اصولوں کو نکات کی صورت میں بیان کیا جا رہاہے جن پر عمل پیرا ہو کر فرقہ وارانہ ہم آہنگی کی بنیادیں استوار ہو سکتی ہیں۔

کتاب وسنت سے تمسک

قرآن وسنت تمام مکاتبِ فکر کے درمیان ہم آہنگی کی بنیاد ہے۔جو تمام مسلمانوں کو اتفاق واتحاد کا درس دیتا ہے۔سورۃ آلِ عمران میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا﴾[16]

اور سب مل کر اللہ کی ہدایت کی رسی کو مضبوط پکڑے رہنا اور فرقے فرقے نہ ہو جانا۔

مذکورہ بالا آیت میں اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رہنے سے مراد ہے کہ قرآن کریم اور شریعت کو مضبوطی سے تھام لینا۔ جس طرح رسّی کو پکڑ لینا اوپر سے گرنے سے بچاتا ہے اور نیچے سے اوپر پہنچنے کا ذریعہ بن جاتا ہے،اسی طرح قرآن کریم اور دینِ اسلام کو مضبوط پکڑنا بندے کو خدا تک پہنچاتا ہے اور آگ میں گرنے سے بچاتا ہے۔یہ اعتصام باللہ قرآن وسنت سے تمسک ہے جس پر تمام اسلامی مکاتبِ فکر متفق وہم آہنگ ہیں۔قرآنِ کریم کی آفاقی تعلیمات پر خلوصِ دل سے عمل پیرا ہو کر تفرق وتشتت کی آگ سے بچتے ہوئے ہم آہنگی،اتحاد واتفاق کے پیغام کو عام کر کے مسلکی منافرت سے بچا جا سکتا ہے۔

توسط اور میانہ روی اختیار کرنا

امت وسط کا لقب امتِ مرحومہ کو اس لیے عطا کیا گیا ہے کہ وہ ایسے نظام حیات کی حامل ہے، جو اعتدال پر مبنی ہے اور دین کی اصل راہ پر قائم ہے۔ تمام امتوں میں بہترین امت کہلانے کا حق اسی وصف کی بنا پر حاصل ہوا ہے کہ وہ افراط و تفریط سے پاک ہے۔اعتدال پر ہونے کے وصف کو قرآنِ پاک میں بیان کیا گیا ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا﴾[17]

اور اسی طرح ہم نے تم کو امت معتدل بنایا ہے۔

---

[16] القرآن 3:103

[17] القرآن 2:143

یعنی ایسی امت جو ہر لحاظ سے متوازن ہو۔اعتدال پر چلنے والی ہو۔امتِ اسلامیہ اعتقادی،اخلاقی اور عملی زندگی میں ایجابی اسلبی دونوں قسم کی اخلاقی خوبیوں سے متصف ہو۔ یہ اعزاز امتِ مسلمہ کو حاصل ہے۔بحیثیتِ مسلمان ہمیں اعلیٰ اخلاقی اوصاف ؛صبر و استقامت، برداشت، تحمل و بردباری کا درس عام کرتے ہوئے باہمی منافرت سے دور رہنے کی تلقین کرنی چاہیے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ [18]

تم بہترین امت ہو جسے لوگوں کی ہدایت کیلئے میدان میں لایا گیا ہے کہ تم نیک کام کرنے کو کہتے اور برے کاموں سے روکتے ہو۔

غلو اور افراط و تفریط سے اجتناب کرنا

انسان حقوق و فرائض کے ابدی اور عالمی منشور خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِيَّاكُمْ وَالْغُلُوَّ فى الدِّينِ، فَإِنَّهُ أَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمُ الْغُلُوُّ فِى الدِّينِ)) [19]

اے لوگو! دین میں غلو سے بچو۔بے شک تم سے پہلے کی (اقوام) دین میں غلو کی وجہ سے ہلاک ہوئیں۔

اسلام میں مسالک میں تشدد کی بنیادی وجہ ہی غلو ہے۔اس کے مضر اثرات سے بچنے کا واحد طریقہ اسوۂ رسول ﷺ ہے۔ ہمیں چاہیے کہ اپنی زندگیوں کو اسوۂ رسولؐ میں ڈھال کر اپنے آپ کو ہلاکت سے بچائیں۔

اختلاف اور اس کے اسباب سے بچنا

سلف صالحین کو امت کے مزاج و مذاق کا صحیح فہم تھا۔وہ جانتے تھے کہ دین کے اصول و بنیاد اور اساس کیا ہیں؟ انھوں نے ہمیشہ دین کے فروغ کے لئے تفقہ کیا۔ حضرت ابنِ عباسؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((عَلِّمُوا، وَيَسِّرُوا، وَلا تُعَسِّرُوا، وَإِذَا غَضِبَ أَحَدُكُمْ فَلْيَسْكُتْ)) [20]

لوگوں کو علم سکھاؤ، آسانیاں پیدا کرو، مشکلات پیدا نہ کرو اور جب تم میں سے کسی کو غصّہ آئے تو اسے سکوت اختیار کر لینا چاہیے۔

---

[18] القرآن 3:110

[19] ابو عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ، السنن ابن ماجہ، حدیث: 3029، دار احیاء الکتب العربیہ، 2:1008۔

[20] احمد بن محمد بن حنبل، المسند، **مسند عبداللہ بن عباس** (شہر: چھاپہ خانہ، سن) حدیث: 2136، 4:39۔

سلف صالحین کا طرز عمل امت کو شر سے بچانا تھا۔ صحابہ ڈرتے ڈرتے ایک دوسرے سے اختلاف کرتے تھے اور انہیں بھی یہ خوف لاحق رہتا کہ اس سے کہیں امت میں انتشار اور تفرقہ پیدا نہ ہو جائے۔ حضرت عثمانؓ حج کے زمانہ میں جب مکّہ تشریف لائے تو منیٰ میں قصر نماز نہ پڑھی۔ چار رکعتیں پڑھیں۔ حالانکہ باہر سے آنے والے مسافرت کے سبب دو رکعتیں پڑھتے۔ عبداللہ بن مسعودؓ نے بھی ان پر اعتراض کیا۔ لیکن خود بھی چار رکعتیں ادا کیں۔ یہ دیکھ کر لوگوں نے ان سے پوچھا((عِبْتَ عَلَى عُثْمَانَ ثُمَّ صَلَّيْتُ أَرْبَعًا))یعنی تم نے حضرت عثمانؓ پر اعتراض کیا اور خود چار رکعتیں پڑھیں؟ ابنِ مسعود نے جواب دیا: ((الْخِلافُ شَر))[21] مخالفت بری بات ہے۔

اختلاف کے باوجود ایک دوسرے کو برداشت کرنا

صحابہ کرامؓ نے کبھی ایک رائے پر اصرار اور دوسری رائے کے بارے میں عناد کا رویہ نہیں رکھا۔ فروعی مسائل میں ان کا طرزِ عمل ضد و عناد سے بالاتر تھا۔ انھوں نے اختلاف کو کبھی اہمیت نہیں دی۔ شیخ الاسلام ابنِ تیمیہ نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے:

<<"فَإِنَّ السَّلَفَ فَعَلُوا هَذَا وَهَذَا، وَكَانَ كِلَا الْفِعْلَيْنِ مَشْهُورًا بَيْنَهُمْ، كَانُوا يُصَلُّونَ عَلَى الْجِنَازَةِ بِقِرَاءَةٍ وَغَيْرِ قِرَاءَةٍ، كَمَا كَانُوا يُصَلُّونَ تَارَةً بِالْجَهْرِ بِالْبَسْمَلَةِ، وَتَارَةً بِغَيْرِ جَهْرٍ بِهَا، وَتَارَةً بِاسْتِفْتَاحٍ وَتَارَةً بِغَيْرِ اسْتِفْتَاحٍ، وَتَارَةً بِرَفْعِ الْيَدَيْنِ فِي الْمَوَاطِنِ الثَّلَاثَةِ، وَتَارَةً بِغَيْرِ رَفْعِ الْيَدَيْنِ، وَتَارَةً يُسَلِّمُونَ تَسْلِيمَتَيْنِ، وَتَارَةً تَسْلِيمَةً وَاحِدَةً، وَتَارَةً يَقْرَءُونَ خَلْفَ الْإِمَامِ بِالسِّرِّ، وَتَارَةً لَا يَقْرَءُونَ، وَتَارَةً يُكَبِّرُونَ عَلَى الْجِنَازَةِ أَرْبَعًا، وَتَارَةً خَمْسًا، وَتَارَةً سَبْعًا كَان فِيهِمْ مَنْ يَفْعَلُ هَذَا، وَفِيهِمْ مَنْ يَفْعَلُ هَذَا. كُلُّ هَذَا ثَابِتٌ عَنْ الصَّحَابَةِ.">>[22]

سلف نے دونوں طرح عمل کیا اور دونوں فعل ان میں مشہور تھے۔ بعض سلف نمازِ جنازہ میں قرأت کرتے تھے اور بعض نہیں کرتے تھے، کبھی بسم اللہ نماز میں اونچی پڑھ لیتے تھے اور کبھی آہستہ، کبھی افتتاح والی دعا پڑھ لیتے تھے اور کبھی نہیں۔ کبھی رکوع کو جاتے اور رکوع سے اٹھتے اور تیسری رکعت شروع کرتے وقت رفع یدین کر لیا اور کبھی تینوں موقعوں پر نہ کیا۔ نماز پوری ہونے پر کبھی دونوں طرف سلام پھیر لیتے اور کبھی ایک طرف، کبھی امام کے پیچھے قرأت (فاتحہ اور

---

[21] سلیمان بن اشعث ابوداؤد سجستانی، **السنن** (ریاض: دارالسلام، 1427ھ)، حدیث: 1960، 2:199۔

[22] أبوعبدالرحمن عبداللہ بن صالح العبیلان، رَدُّ الجَمِیلِ فِي الذَّبِّ عَن إرواء الغلیل وھو رَدٌّ عَلَى كتَابِ (مُستَدرَک التَّعلِیل)، دَارُ اللُّؤلؤة لِلطِبَاعَةِ وَالنَّشْرِ، بیروت۔ الدَّارُ الأثرِیَّةُ لِلطِبَاعَةِ وَالنَّشْرِ والتوزیع، الأردن، 1431ھ، ١:٢٢٥۔

سورت) کر لیتے اور کبھی نہ کرتے۔ نماز جنازہ پر کبھی سات تکبیریں کہتے، کبھی پانچ۔ کبھی چار۔ سلف ان میں سے ہر طریقے پر عمل کرنے والے تھے اور یہ سب اقسام عملِ صحابہ سے ثابت ہیں۔

سلف صالحین نے فقہی اختلافات میں معتدل راہ اور طرزِ عمل اپنایا۔ان کی زندگیوں کے روشن صفحات اعتدال اور رواداری کا سبق دیتے ہیں۔اس کے علاوہ صحابہ وتابعین اور اسلافِ امت کے بے شمار ایسے واقعات ملتے ہیں کہ انھوں نے اس اختلاف کے سلسلے میں نہایت کشادہ دلی، وسعتِ قلبی اور اعلیٰ ظرف کا مظاہرہ کیا۔ کیونکہ انھیں اس حقیقت کا احساس تھا۔ کہ امتِ مسلمہ کو آپسی اتحاد کی ضرورت ہے۔

عقیدۂ توحید پر کلی طور پر کاربند رہنا

افتراق اور فرقہ بندی دین کی اصل نہیں ہے۔ دین کی اصل وحدت، جماعت یعنی اجتماعیت اور اور امت ہے، اسی کی طرف قرآن دعوت دیتا ہے:

﴿ إِنَّ هَـٰذِهِۦٓ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَٰحِدَةً وَأَنَا۠ رَبُّكُمْ فَٱعْبُدُونِ ﴾[23]

یہ تمہاری امت حقیقت میں ایک ہی امت ہے اور میں تمہارا رب ہوں، پس تم میری عبادت کرو۔

مسلمان فرقوں کو عقائد واعمال کے مشترک پہلوؤں کو اجاگر کرتے ہوئے ہم آہنگی کی فضا کو فروغ دینا چاہیے۔اسلام کی اتنی واضح و بیّن تعلیمات کے ہوتے ہوئے اسلام اور پیغمبر اسلام رحمت اللعالمین ﷺ کے ماننے والوں کو جس طرح فرقہ واریت وانتہاپسندی کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ انتہائی قابلِ مذمت ہے۔

مسالک کے مشترکات سے استفادہ کی ضرورت واہمیت

تمام مکاتبِ فکر دین کے بنیادی عقائد توحید، رسالت ،الہامی کتب، فرشتوں، آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہ پانچوں عقائد اسلام کے بنیادی عقائد ہیں جو انسان کی اصلاح کرتے رہتے ہیں۔ اُسے اس کائنات میں اپنا صحیح مقام اور حیثیت یاد دلاتے رہتے ہیں اور وہ یہ بھول نہیں پاتا کہ اس دنیا میں وہ اللہ تعالیٰ کے نائب کی حیثیت سے آیا ہے۔ جس نے ہر کام اپنے خالق ومالک کی رضا کے لیے سرانجام دینا ہے۔ یہی نظریات بین الاقوامی سطح پر انسان کو ایک دوسرے کے قریب لانے میں مددگار ومعاون ثابت ہوتے ہیں۔

---

[23] القرآن 21:92

بنیادی عقائد پر ایمان لانے کے بعد شریعت کے وضع کردہ احکامات کے مطابق زندگی بسر کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ جو ضروریات دین ہیں۔ ضروریاتِ دین، دین کے ان بنیادی اعتقادات کو کہتے ہیں، جن کا علم ہمیں قطعی اور بدیہی طور پر ہو، وہ ضروریات دین میں داخل ہیں۔ ضروریات دین میں سے کسی ایک ضرورت دینی کا انکار کرنے والا بھی مسلمان نہیں ہے، چاہے وہ زندگی بھر اپنا سر عبادت کے لئے سجدے میں رکھے ہوئے کیوں نہ ہو۔ مولانا اللہ یار خان "ضروریاتِ دین" کے زیر عنوان یوں رقمطراز ہیں:

> تمام ضروریاتِ دین کا ماننا ایمان ہے اور ان میں سے بعض کا یا کسی ایک کا انکار کرنا کفر ہے۔ توحیدِ باری تعالیٰ۔ توحیدِ ذاتی، توحیدِ صفاتی، نبوت، قیامت، نشر، حشر، حساب و کتاب، وزن اعمال، میزان، پل صراط، جنت، دوزخ، نعمائے جنت، عذابِ دوزخ، کراماً کاتبین کا سوال و جواب، قبر میں عذاب و ثواب، قبر، حوض کوثر۔ ان کے علاوہ حلال و حرام کے سلسلے میں سود حرام ہے، زنا، قتل، شراب، خنزیر حرام ہے۔ ارکان اسلام نماز، روزہ، حج، زکواۃ سب ضروریات ہیں ان کا ثبوت متواتر ہے۔[24]

ان تمام امور میں تمام مکاتب فکر متفق ہیں۔ ہمارا فرض ہے کہ اسلام کی صاف و شفاف چادر پہ جو چند دھبے ہیں انھیں نظر انداز کرتے ہوئے اس کے بے داغ حصے کو اہمیت دیں۔ امت میں چند امور میں اختلافات ہیں۔ جن میں فروعی و نظریاتی اختلافات ہیں۔ فقہی اختلاف کی حقیقت اور اس کا پس منظر جاننے کے لئے چند امور سے آگاہی ضروری ہے۔ قرآن و سنت کی شکل میں احکامِ شریعت کا جو مجموعہ امت کو عطا کیا گیا اس کے دو حصّے ہیں، ایک حصّہ ایسے منصوص احکام کا ہے جنہیں قرآن یا حدیث میں ان کی جزئیات کی تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے۔ جیسے، میراث کے احکام، محرمات خواتین جن سے نکاح حرام ہے۔ قصاص کے بعض احکام وغیرہ دوسرا حصّہ ایسے احکام کا ہے جن میں صرف اصولی ہدایات دی گئی ہیں، یہ حصّہ بہت بڑا اور وسیع ہے اور یہی فکر و فہم کی جولانگاہ ہے۔ تمام مکاتبِ فکر کا بنیادی عقائد میں کوئی اختلاف نہیں۔ ہاں فقہی بنیادوں پر فروعی اختلافات ہیں۔

مندرجہ بالا حقائق سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ شریعت کی بنیادی اور اصولی تعلیمات بالکل واضح اور دوٹوک ہیں۔ جن میں کسی قسم کی پیچیدگی اور جھول نہیں پایا جاتا۔ جن میں توحید و رسالت کا اقرار، عقائد اور امورِ آخرت سے متعلق چیزیں اور دین کی وہ بنیادی باتیں شامل ہیں جو قطعی دلائل سے ثابت ہیں۔ ان سے سرِ مو انحراف بسا اوقات انسان کو دائرۂ اسلام سے خارج کرکے کفر و شرک کی حدود میں شامل کر دیتا ہے۔ یہ منصوص احکام کہلاتے ہیں۔ دوسرے احکامات وہ ہیں جو شریعت کی

---

[24] اللہ یار خان، **عقائد و کمالات علمائے دیوبند** (منارہ: ادارہ نقشبندیہ اویسیہ دار العرفان، منارہ، 1999ء)، 24-25۔

جزوی تفصیلات اور فقہا کی تحقیقات، تدقیقات سے تعلق رکھتے ہیں، جنہیں شریعت کی اصطلاح میں "امورِ مجتہد فیہا" کہا جاتا ہے۔ یہ غیر منصوص احکام کہلاتے ہیں۔

اگر بنظرِ غائر دیکھا جائے تو امور عملی میں فروعی اختلافات کے باوجود بیشتر امور میں مسلمانوں کے مابین اتفاقِ رائے ہے۔ یہ اتفاق معاملات اور معاشرتی و سماجی امور میں تو بہت زیادہ ہے۔ مثلاً سود، شراب اور زنا کی حرمت پر سب کا اتفاق ہے۔ عبادی امور میں بھی نماز، روزہ، حج اور زکواۃ وغیرہ کے وجوب پر سب کا اتفاق ہے۔ عقائد میں بھی بنیادی امور پر اتفاق ہے۔ قرآن حکیم پر سب کا اتفاق ہے۔ کعبۃ اللہ کا سب احترام کرتے ہیں۔ پھر اختلافی امور پر ہی بات کیوں کرتے ہیں۔ سورۃ النساء میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ﴾[25]

پھر اگر کسی بات میں تم میں اختلاف واقع ہو اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی طرف رجوع کرو۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ صَلَّى صَلاَتَنَا وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا، وَأَكَلَ ذَبِيحَتَنَا فَذَلِكَ المسْلِمُ الَّذِي لَهُ ذِمَّةُ اللَّهِ وَذِمَّةُ رَسُولِهِ، فَلاَ تُخْفِرُوا اللَّهَ فِي ذِمَّتِهِ))[26]

یعنی جس نے ہماری نماز پڑھی اور ہمارے قبلے کی طرف رخ کیا اور ہمارا ذبیحہ کھایا تو وہ مسلمان ہے، جس کے لئے اللہ اور اس کے رسول کا ذمہ ہے تو تم اللہ کے ذمے میں خیانت نہ کرو۔

دین کی استقامت کے لئے آپس کے معاملات کی درستگی، اتفاق واتحاد ناگزیر ہے، اگر اسلام کی تعلیمات امن و رواداری پر عمل نہ کیا تو ہم اپنے مخالفین کے لئے تر نوالہ ثابت ہوں گے۔ یہ وقت کی پکار ہے کہ امتِ مسلمہ اس نازک معاملے کا احساس و ادراک کرتے ہوئے فروعی و فقہی اختلافات کو وسعت اور نظریاتی اختلافات کو برداشت کرے تاکہ ایک پر امن اور خوشحال اسلامی معاشرہ تشکیل پاسکے۔ جب ایمانیات وعبادات کے فرائض میں یکسانیت ہے تو جھگڑا کس بات کا؟ اس تمام بحث کا حاصل تمسک بالقرآن والسنہ ہے۔ صابر نظامی اپنی کتاب **فرقہ پرستی کا خاتمہ کیونکر ممکن ہے** میں دین کے مشترکات کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

[25] القرآن 4:59

[26] بخاری، **الجامع الصحیح**، ابواب القبلہ، باب فَضْلِ اسْتِقْبَالِ القِبْلَةِ، حدیث: 391، 1:87۔

یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ تمام اسلامی فرقوں کے درمیان بنیادی واعتقادی قدریں سب مشترک ہیں۔اسلامی عقائد کا سارا نظام انہیں مشترک بنیادوں یعنی توحید، رسالت، ختم نبوت، آخرت، قرآن اور وحدت کعبہ پر کھڑا ہے- مسلمانوں کی نہ صرف عقائد واعمال کی ساری بنیادیں مشترک ہیں بلکہ ارکان اسلام نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج وغیرہ قواعدِ اصولیہ میں فقہا کا اختلاف اور فقہی مسائل پر اس کا اثر، قواعدِ اصولیہ میں فقہا کا اختلاف اور فقہی مسائل پر اس کا اثر، بھی مشترک ہیں۔اگر کہیں اختلاف ہے تو وہ محض فروعی ہے- جس کو نظر انداز کر کے متحد ہونا ممکن بلکہ بڑا آسان ہے۔[27]

دین کے مشترک اہداف سب کے نزدیک اہم ہیں اور وہ یہ اہداف ہیں۔

1. دین کے لیے دعوت دینا۔
2. کے کلمے کو بلند کرنا۔
3. دشمنوں کی سازشوں کی تردید کرنا۔

الغرض، بین المسالک ہم آہنگی کا نقطہ آغاز تنوع کو سمجھنا اور اس کا احترام ہے۔ الزام و التزام کے کلچر نے اس خطے کے مسلمانوں کو مسلکی جنگ میں جھونک دیا ہے۔علم ودلیل کی بجائے جبر، دھونس، گالی اور گولی کی زبان نے تنوع کی نفی کا عملی ثبوت دیا ہے۔اگر ہم ایک خوشحال، پُرامن اور مستحکم پاکستان کا خواب دیکھنا چاہتے ہیں تو تنوع میں جینے کے درس کو عام کر کے ہی پُرامن بقائے باہمی کو یقینی بنایا جاسکتا ہے۔

نتائج

خوش آئند بات یہ ہے کہ پاکستان میں ملی وحدت کی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے عملی اقدامات کی طرف پیش رفت کی ہو رہی ہے۔دینی مدارس اور عصری تعلیمی اداروں کے نصاب میں رواداری اور قومی اہداف کو ترجیح دینے کے لئے قومی کونسل کی ''نصاب کمیٹی'' نے کام شروع کر دیا ہے۔ نصابِ تعلیم میں اصلاحات کیلئے تمام مسالک کے علماءومشائخ کا اتفاق بہت خوش آئند ہے۔وزارتِ مذہبی امور کے تحت قائم کی گئی علماءومشائخ کونسل کے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے وزیر مذہبی امور سردار محمد یوسف نے کہا کہ :

---

[27] صابر نظامی، رانا، **فرقہ پرستی کا خاتمہ کیونکر ممکن ہے** (لاہور: ادارہ تفہیمِ اسلام، 1985ء)، 23-29۔

''تمام مسالک مشترکات پر جمع ہو جائیں اور اختلافات سے پرہیز کریں۔ انہوں نے کہا کہ مشترکات 98فیصد جبکہ فروعی مسائل میں اختلافات صرف 2فیصد ہیں۔ وزیر مذہبی امور کی اس بات سے علماء نے اتفاق کیا۔''[28]

مذہبی ہم آہنگی، مشترکاتِ مسالک سے استفادہ کے لئے کئی مسائل درپیش ہیں۔ ان مسائل سے نمٹا جا سکتا ہے اگر امت کے وسیع تر مفاد کے لئے درج ذیل عناصر اپنا کلیدی کردار ادا کریں:

1. میڈیا کا کردار
2. مذہبی سکالرز
3. نصاب سازی کا کردار
4. عدم برداشت کا کلچر

اسلام دینِ کامل ہے۔ یہ دینِ مکالمہ ہے۔ رسالت کا مطلب ہی پیغام ہے۔ پیغام کا ابلاغ مکالمے کے بغیر ممکن ہی نہیں ہوتا۔ رسالت کا دروازہ بند ہو چکا ہے یہ میڈیا ہی ہے جو عصرِ حاظر کے چیلنجز کا مقابلہ کر سکتا ہے اگر میڈیا ذاتی مفادات سے بالا ہو کر مکالمے کے آفاقی پیغام کو سمجھیں۔ مکالمہ اسوۂ حسنہ ہے۔

جلال الدین رومیؒ اور علامہ اقبالؒ جیسے مفکرین مکالمہ کے داعی تھے۔ تمام مسلمان ایک امت ہیں۔ آخری امت ہونے کے حوالے سے اس پہ کئی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں جن میں سرِ فہرست امت کا اتحاد اور افتراق و اختلاف سے بچنا ہے۔ امت کے عمائدین و مبلغین کا یہ فرضِ اولین ہے کہ وہ مشترکات کو فروغ دیں اور ہم آہنگی کی بنیادیں جو واضح اور دین کی اساس ہیں جن عقائد پر ایمان کے بعد ہی ہم دائرۂ اسلام میں داخل ہوتے ہیں اس کی فکر کو عام کریں۔

پاکستان میں مسلکی ہم آہنگی کے لئے یکساں نظام تعلیم کی ضرورت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ یکساں نظام تعلیم کے لیے ملک کے سیکولر اور دینی طبقے دونوں کو راہ اعتدال اختیار کرنی پڑے گی۔ اب وقت آ گیا ہے کہ ہم نیا نظامِ تعلیم شروع کریں جو دونوں نظام ہائے تعلیم کا جامع ہو۔ ان کی مفید اور کار آمد چیزیں رکھ لی جائیں اور بیکار اور فرسودہ اجزاء کو چھوڑ دیا جائے۔ نئے نظامِ تعلیم کی بنیاد قرآن و سنت کی روشنی میں استوار کی جائے۔ نصاب، معلمین و مبلغین ایسے ہوں جو اخلاقی اوصاف سے متصف ہوں، مسلکی رواداری کا درس دے کر ہمیں اتحاد کی لڑی میں پرو دیں۔

---

[28] بین المسالک ہم آہنگی پر مشتمل کتاب تیار کرا کر تمام مدارس میں پڑھائی جائے گی:
https://www.urdupoint.com/daily/livenews/2016-10-27/news-768636.html Accessed :08-07-2019

تجاویز و شفارشات

1. ملکی حالات و واقعات تو مدِ نظر رکھتے ہوئے ہر مسلک و مشرب کے جیّد علماء پر مشتمل مسلکی فورم تشکیل دیا جائے جو مسالک کے مشترکات کو مدّ نظر رکھتے ہوئے فتویٰ جاری کرنے کے مجاز ہو۔
2. مدارس کے طلباء کے درمیان روابط کو فروغ دیا جائے۔ طلباء کے مابین مکالمے کا آغاز کیا جائے۔
3. میڈیا فرقہ واریت کی بجائے مشترکاتِ مسالک پر مبنی پروگرام نشر کرے اور ہم آہنگی مابینِ مسالک کو فروغ دے۔
4. سماج کے اندر رہتے ہوئے سماجی رویوں کو سیرت مصطفی ﷺ کے قالب میں ڈھلنے کی روایات کو نصاب، پرنٹ میڈیا کے ذریعے ہر سطح پر عام کیا جائے۔

المختصر، پاکستانی معاشرے کو مسالک کے مشترکات کا شعور و آگاہی دلا کر ہم آہنگ معاشرہ تشکیل دیا جا سکتا ہے۔ پاکستانی معاشرے میں انتشار وافتراق کی بنیادی وجہ محض کم عملی، جہالت، دین کے احکام سے عدم واقفیت اور اسلامی تعلیمات سے دوری کا نتیجہ ہے۔اس کے لیے علمائے کرام کو وعظ و تذکیر سے کام لینا چاہیے ۔ بچوں کے تعلیمی نصابات میں عقائد کی یک جہتی اور تفرقے و تشتت کے نقصانات سے آگاہ کرنا چاہیے۔ ذرائع ابلاغ کو خصوصیت سے اپنا کردار ادا کرنا چاہیے۔ آپ ﷺ کی تعلیمات اخوت و رواداری کا درس دیتی ہیں۔ ہمیں افتراق و مناقشات کی مذمت کرتے ہوئے امت کے وسیع تر مفاد کے لئے اتحاد و ہم آہنگی، مسالک کے مشترکات کو فروغ دینا چاہیے تاکہ امتِ مسلمہ کو مزید تقسیم و گروہ بندی سے بچا سکیں۔